خطۂ بہاولپور میں علمی و دینی سرگرمیوں کا تاریخی جائزہ

محمد خورشید☆

علم کی فضیلت سے کوئی ذی شعور انسان انکار نہیں کر سکتا۔ فضیلت علم پر جہاں قرآن اور حدیث میں زور دیا گیا، اور مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کو آشکار کیا گیا ہے کہ علم انبیاء کا ورثہ ہے اور خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے بیش بہا نعمت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ علم حاصل کرنے والوں اور اس سے محروم لوگوں میں برابری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نیز ارشاد ربانی ہے کہ جن لوگوں کو علم دیا جاتا ہے ان لوگوں کا درجہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہت بلند ہے۔ عظیم مفسر قرآن و محدث علامہ ابن جوزی تحریر کرتے ہیں: فان تصنيف العالم ولده المخلد، وأن يكون عاملا بالخير عالمافيه فينقل من فعله مايقتدى الغير به فذلك الذى لم يمت☆ قدمات قوم وهم فى الناس احيا☆ (ترجمہ: عالم کی تصنیف اس کی ہمیشہ رہنے والی اولاد ہوتی ہے یہ کہ آدمی نیکی کرنے والا ہو اور اس کا علم رکھتا ہو اور اپنے فعل کو اور جگہ منتقل کرے جس کی اس کے علاوہ دوسرے لوگ اتباع کریں۔ ☆ یہ وہ شخص ہے جو فوت نہیں ہوا۔ کتنے ہی لوگ مر گئے حالانکہ لوگوں کی نظروں میں وہ زندہ ہیں☆) ایک اور جگہ علامہ ابن جوزی کا کہنا ہے کہ جس روشنائی سے طالب علموں کے قلم لکھ لیتے ہیں وہ خدا کے نزدیک شہید کے خون سے بھی زیادہ روشن و مزین ہیں جبکہ امت مسلمہ کے نزدیک علوم اسلامیہ ہی ان کی دینوی واُخروی رہنمائی و نجات کا منبع و ماوا ہو سکتے ہیں قرآن کریم میں جہاں حکمت کا ذکر آیا ہے علماء کرام اس سے علوم شرعیہ ہی مراد لیتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کے علاوہ علوم آلہ و علوم مادیہ تکوینیہ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ یہ امر یقیناً بہت اہم ہے کہ کسی بھی خطے کی علمی حیثیت و تاریخ اس علاقے میں مقیم قوم کے سیاسی و معاشی حالات سے منطبق ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی ریاست کے سیاسی حالات' اقتصادی نظریات' معاشی و معاشرتی تقاضے' بالخصوص مذہبی رجحانات اس کی علمی سرگرمیوں پر بہت زیادہ اثرانداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ طرز تعلیم اور جن علوم کا درس دیا جاتا ہے وہ اس خطے کے حالات / ماحول کا اجمالی خاکہ ہوتے ہیں۔ مقصد یہ کہ انسان کی جسمانی توانائی اور دماغی اہلیت ان ہی کیفیات کے تابع ہوتی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں جہاں ہندوؤں کے دور اقتدار میں ابتدا ہی سے تعلیم کا ایک مخصوص نظام کار

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر' شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان' اسلامیہ یونیورسٹی' بہاولپور

موجود تھا جس کے تحت ' استاد کی حیثیت سے ' برہمن کے گھر کو درس گاہ کا درجہ حاصل تھا جہاں علم ریاضی ' علم نجوم ' علم فلکیات ' علم طبیعیات اور علم کیمیا کی تعلیم دی جاتی تھی۔ گیارھویں صدی عیسوی میں مستقل بنیادوں پر مسلمانوں کی حکومت کے قیام کے سبب مذہبی علوم ' عبادات اور ریاضی وغیرہ کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اگرچہ برصغیر میں سلاطین دہلی کے دور میں تعلیم کے شعبہ کو باقاعدہ حکومتی سرپرستی حاصل نہ تھی تاہم بزرگان دین اور علماء و مشائخ کرام کی توجہ سے مساجد اور خانقاہوں سے متصل مدارس کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان علماء و مشائخ کرام کی ہمہ وقت جدوجہد کی بدولت نہ صرف اس خطے میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا بلکہ جہالت اور گمراہی کو دور کرنے کے لئے درس و تدریس کے مراکز بھی قائم ہوئے۔ بزرگان دین نے اسلامی تعلیمات کے ذریعہ نہ صرف راہ حق سے بھٹکی ہوئی مخلوق خدا کے عقائد کو درست کیا اور وحدانیت کا سبق پڑھایا بلکہ ہند کی صنم کدوں میں توحید کے چراغ منور کئے جن کی روشنی سے انسانیت نے جلا پائی۔ اس ضمن میں پنجاب کے چند مقامات کو خصوصی مقام حاصل رہا ہے جہاں اس دور کے نامور صوفیاء کرام اور مشائخ عظام نے اپنی عقل و دانش کے مطابق توحید و رسالت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے علم و عرفان اور شمشیر و سناں سے کام لیتے ہوئے کفر و ضلالت کی جگہ اسلامی عظمت و اقتدار کی بنیاد رکھی۔ خطۂ پنجاب میں اسی دینی فریضہ کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ حسینؒ ہیں۔ (۲) جب سلطان محمود غزنوی (۹۹۷ء۔ ۱۰۳۰ء) نے ۱۰۰۰ء میں ایک لاکھ ستر ہزار افواج کے ساتھ برصغیر کی جانب کوچ کیا تو حضرت شیخ حسینؒ بھی جہاد کی غرض سے اس کے ہمراہ تھے (۳) سلطان محمود غزنوی نے دیپال پور (کوٹ کروڑ) کو فتح کرنے کے بعد حضرت شیخ حسینؒ کے فرزند شیخ شمس الدینؒ اور دیگر فوج کے ہمراہ راجہ دیپال کے دارالحکومت تلمبہ کی جانب کوچ کیا جبکہ تبلیغ اسلام اور مذہبی تعلیم کو عام کرنے کر غرض سے حضرت شیخ حسینؒ نے دس ہزار فوج کے ہمراہ کوٹ کروڑ میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس علاقہ کو اسلامی تعلیمات اور درس و تدریس کے ایک بڑے مرکز میں تبدیل کر دیا۔ حضرتؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شیخ سلطان علیؒ (۱۰۳۴ء ۱۱۱۷ء) نے اپنی تمام عمر اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کی۔ اس کے بعد ان کے فرزند رئیس الاولیاء حضرت محمد غوث وجیہ الدینؒ (وفات ۱۱۸۵ء) نے یہیں رہتے ہوئے تبلیغ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے کام کیا۔ آپؒ کے ہاں یہیں خطۂ کوٹ کروڑ میں بروز جمعہ ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ مطابق ۳ جون ۱۱۷۳ء کو حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپؒ نے کوٹ کروڑ میں ' جو دینی علوم کی ایک بڑی درس گاہ بن چکا تھا ' بڑے بڑے متورع اور فقہی علماء سے دینی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد اس دور کے تقاضوں کے پیش نظر اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لئے خراسان روانہ ہوئے جہاں سات برس تک علماء فضلا سے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل

کے بعد بخارا پہنچے اور آٹھ برس تک وہاں قیام پذیر رہ کر دوہزار سے زائد علمی کتب سے استفادہ کیا(۴)اس کے بعد مدینہ منورہ میں پانچ سال قیام کیااور حضرت شیخ کمال الدین یمنیؒ سے حدیث کادرس لیا۔ یہاں سے بغداد پہنچ کر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور ان ہی کے حکم کے مطابق ۱۲۱۷ء میں ملتان پہنچ کر شیخ ؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے خانقاہ سہروردیہ قائم کی۔اس کے نتیجے میں اسلامی تعلیمات اور رشد وہدایت کا مرکز کوٹ کروڑ سے ملتان منتقل ہو گیااور یہ کہ اسی خطۂ پاک ارض (کوٹ کروڑ) کے توسط سے ملتان رشد وہدایت کا مرکز میں تبدیل ہوااور سلسلہ عالیہ سہروردیہ کا مرکز محور ٹھہرا۔مابعد بزرگان دین کی دینی تعلیمات اوراشاعت اسلام کے سبب مدینۃالاولیاء کہلایا۔

حضرت بہاؤالدین زکریاملتانیؒ کے بعد یہ فیض صدرالدین عارفؒ اور حضرت شاہ رکن عالم ابو الفتح ؒ کے روپ میں چمکا جس کی تابانی سے بت کدہ ہند کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔اُوچ شریف کے بخاری سیدوں کے موسس اعلیٰ حضرت سید جلال الدین بخاری (۱۱۹۸ء۔۱۲۹۱ء) جو حضرت شیخ الاسلام (بہاوءالدین زکریاؒ) کے محبوب مرید اور نامور خلیفہ تھے اسی چشمہ رحمت سے فیض یاب ہوئے۔اُن کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ۔ حضرت شاہ رکن عالمؒ کے خلیفہ تھے۔اس طرح ان بزرگان دین کی خدمات جلیلہ کی بدولت ٬ جن کا ابتدائی تعلق خطۂ کوٹ کروڑ سے تھا٬اُوچ شریف بھی صوفیانہ تعلیمات کے مرکز میں تبدیل ہو گیا۔اسی طرح سندھ کے مایہ ناز صاحب تصوف بزرگ حضرت لعل شہباز قلندرؒ بھی حضرت شیخ الاسلامؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔اس کے علاوہ اگر (بنگلہ دیش) میں سنہری گنبد کے نیچے آرام فرمانے والی ہستی کی بارگاہ میں حاضری دی جائے تو وہاں سے اٹھنے والی نورانی شعاعوں میں اسی خانوادے کی عظمت کا عکس نظر آتا ہے۔اسی طرح گجرات کاٹھیاواڑ کے ہندو مرکز انہلواڑہ میں تبلیغ اسلام کے لئے سب سے پہلے تشریف لانے والے فرزند شیخ حسام الدین ملتانیؒ (وفات ۷۳۷ء) تھے جنہوں نے وہاں رشد وہدایت کے سلسلہ کو اکتالیس برس تک جاری رکھا۔بزرگان دین کے مختصر تعارف کا اصل مقصد بیان کرنا ہے کہ اسلامی رشد وہدایت کو جو سر چشمہ مکہ مکرمہ سے جاری ہو کر خوارزم اور غزنی کے راستے کوٹ کروڑ میں منتقل ہوا٬ نے بعد ازاں ارضِ ملتان کو اپنی جائے قرار بنا کر خطۂ پاک اُچ کو اسلامی تعلیمات کے ایک بڑے مرکز میں بدل دیا(۵) جس سے نہ صرف سر زمین بہاولپور پر رشد وہدایت کے چراغ روشن ہوئے بلکہ درس تدریس کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو ظلمت کدہ کفر میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ مستقیم پر لانے کا ذریعہ بنا۔اس سے ملتان اور بالخصوص ریاست بہاولپور کی تہذیب وثقافت پر ایسے دوررس اثرات مرتب ہوئے جس نے اس خطۂ کو جنوبی پنجاب میں علم وعرفان کا ایک اہم گہوارہ بنا دیا۔ خلاصہ بحث یہ کہ بزرگان دین کی کوششوں کے سبب مساجد اور خانقاہوں سے متصل مدارس کا جو تعلیمی نظام کار ترتیب پایا وہ سلاطین دہلی اور اس کے بعد مغلیہ دور حکومت میں فروغ تعلیم اور علوم

اسلامیہ کی ترویج اور اشاعت اسلام کا اہم ذریعہ ثابت ہوا اور اسی نظام کار نے مدتوں مسلمانان ہند کو علم کی ضیاء پاشیوں سے منور کیا۔ جبکہ خطۂ بہاولپور کی یہ خوش بختی رہی ہے کہ اسے علماء و مشائخ کے ساتھ ساتھ علم دوست حکمرانوں کی بھرپور معاونت بھی حاصل رہی۔ موضوع کے اعتبار سے ریاست بہاول پور کی تعلیمی سرگرمیوں کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (الف) علماء و مشائخ کرام کی تعلیمی سرپرستی کا دور، جس میں دینی علوم کی تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ (ب) جدید (انگریزی) طریق تعلیم کی روشنی میں حکومتی سطح پر امیران بہاولپور کی تعلیمی سرپرستی کا دور۔ یہ ایسا دور تھا جس میں علماء دین اور اسلام تعلیمات کو ریاست بہاولپور میں بدستور بڑی اہمیت حاصل رہی۔ لہٰذا اس طرح جدید علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے حصول کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

ریاست بہاولپور کی قدیم یا جدید تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے وقت مجموعی طور پر پنجاب کی تعلیمی سرگرمیوں پر بھی نظر ڈالنا ہوگی۔ جیسا کہ 1727ء میں امیر صادق محمد خان عباسی اول (۱۷۲۳ء۔ ۱۷۴۶) کے دور میں ایک آزاد خود مختار ریاست کا روپ دھارنے سے قبل یہ علاقہ پنجاب کا انتظامی حصہ تھا۔ شہاب الدین غوری (۱۱۷۵ء۔ ۱۲۰۶) کی شہادت کے بعد جب ۱۲۰۶ء میں سلطان قطب الدین ایبک تخت دہلی پر مامور ہوا اُس وقت لاہور اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں مسلمانوں کے مضبوط علمی و تعلیمی مراکز قائم ہو چکے تھے اور اُس دور کے ممتاز علماء و فضلا میں فخر مدبر مبارک شاہ، تاج الدین حسن نظامی، شیخ عبدالعزیز مکی، سید احمد توختہ ترمذی اور شیخ یعقوب زنجانی کے اسماء گرامی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ فخر مدبر نے اپنی کتاب ''شجرۂ انساب یا بحر الانساب'' ''بارہ سال کی محنت شاقہ اور ایک ہزار کتابوں کے مطالعے کے بعد لاہور میں تالیف کی'' سلطان قطب الدین ایبک کے جانشینوں کے دور میں پنجاب کا علمی و تعلیمی ماحول قائم رہا لیکن یہ ساری محنت اور سرمایہ منگولوں کے خوفناک حملوں میں تباہ و برباد ہوگیا۔ (۶) اس دور میں ریاست بہاولپور کی اعتبار سے نمایاں خصوصیات کی حامل رہی ہیں۔ خصوصی طور پر ابتداء اسلام سے جزیرہ نما عرب اور برصغیر کے مختلف علاقوں سے علماء و فضلا کی آمد و رفت ان کی بدولت علمی مدارس کے قیام اور تدریسی سرگرمیوں کے سبب اس علاقے کو خاص شہرت حاصل رہی ہے جس کا اندازہ اس خطہ میں پائے جانے والے آثار قدیمہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ابتداء میں تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ خطۂ پاک اُوچ کو مدتوں برصغیر پاک و ہند میں قدیم تاریخ ساز و دانش گاہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس خطۂ میں جہاں ایک جانب سلطنتوں کے عروج و زوال کی داستانیں رقم ہوئیں اور علم و عرفان کے سوتے پھوٹتے رہے جن سے تشنگان علم فیضیاب ہوتے رہے وہاں علمی و روحانی شخصیات کی بدولت دینی علوم کی درس تدریس کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جس نے اس پورے خطہ کو علم کی روشنی سے منور کر دیا۔ یہاں ایسی بے شمار ہستیاں مدفن ہیں جو اپنے وقت کے نامور عالم۔ محدث فقیہہ،

ادیب، مورخ اور اہل فضل و کمال تھے جن کے طفیل یہ سرزمین مختلف سیاسی، مذہبی، روحانی اور ثقافتی تحریکات کا مرکز بنی۔

اس خطۂ میں سب سے پہلے حضرت شیخ صفی الدین گاذرونیؒ کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے ۹۸۰ء میں بغداد سے اُوچ منتقل ہو کر اس علاقے کو علمی و مذہبی تعلیمات کے مرکز کی حیثیت دی۔ اِن کی بدولت یہاں ایک ایسی مذہبی و روحانی درس گاہ قائم ہوئی جو اپنی نوعیت کی ایسی مثالی درس گاہ تھی جہاں بیک وقت تقریباً اڑھائی ہزار طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے(۷) قرین قیاس ہے کہ اس درس گاہ کا نام ''دارالعلوم فیروزیہ'' تھا جسے سندھ کے سومرہ خاندان کے حکمرانوں نے، جن کا لقب ''ملک فیروز'' تھا قائم کرنے میں مالی مدد فراہم کی۔ اس مدرسے کے نصاب میں اصول فقہ، تصوف، علوم الکلام اور تفسیر و حدیث کی کتب شامل تھیں(۸) جبکہ مابعد سلطان شہاب الدین غوری نے اپنے دور میں اس درسگاہ کے اخراجات کے لئے وقف کا بندوبست کیا۔ (۹) ناصر الدین قباچہ (۱۲۰۶ء۔ ۱۲۲۸ء) نے اُوچ، جو فراہمی روزگار اور کثرت آبادی کے سبب دہلی کے ہم پلہ ہو گیا تھا، کو اپنا دارالحکومت بنایا(۱۰) یہاں ایسے یگانہء روزگار باکمال لوگ تھے جمع ہو چکے تھے جو اپنے علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری کے سبب بڑی شہرت رکھتے تھے جن کی حیثیت کسی صورت سلاطین ہند سے کم نہیں تھی کیونکہ یہ وہ دور تھا جس میں مذہب کو مادیت پر فوقیت حاصل تھی اور حکمران، مشائخ کرام سے رشتہ قائم کرنا اپنے لئے باعث فضیلت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ قرین قیاس ہے کہ ناصر الدین قباچہ کی بیٹی کی شادی اُوچ کے مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ اس طرح حضرت سید جلال سرخ بخاریؒ کی والدہ ماجدہ بخارا کے بادشاہ سلطان محمد خداہندہ کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ مذکورہ نے اپنی تینوں بیٹیوں کی شادی سادات گھرانہ میں کی تھی۔ (۱۱)

اس زمانہ میں روحانی مرکز کی حیثیت سے، خانقاہ گاذرونیہ، اور تعلیمی اعتبار سے درس گاہ فیروزیہ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اسی خطۂ کا فیض تھا کہ ''جو سندھ کے حالات پر فارسی زبان میں پہلی مستند کتاب ہے، مرتب کنندہ علی بن ابراہیم کوفی (پیدائش ۱۱۶۰ء) اُوچ شریف ہی کا باشندہ تھا۔ (۱۲) اور یہیں آسودہ خاک ہے۔ ایک اور کتاب ''لباب الالباب'' کے مصنف نورالدین محمد بن عوفی، جو ایک نامور عالم تھے یہیں آکر اقامت پذیر ہوئے اور یہیں رہ کر علمی کارناموں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اسی دور میں تصنیف '' طبقات ناصری'' کے مصنف قاضی منہاج الدین سراج (پیدائش ۱۱۹۳ء)، جو ایک جلیل القدر عالم، شاعر اور ادیب تھے، غزنہ اور ملتان کے راستے اُوچ پہنچے جہاں انہیں نومبر ۱۲۲۷ء میں ''مدرسہ فیروزیہ'' کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ قطب الدین کاشانی اور شیخ محمود فاروقی جیسے اصحابِ علم و فضل اس دور کے جید علماء تھے (۱۳) غرضیکہ برصغیر میں اسلامی حکومت کے ابتدائی دور ہی سے اوچ ایک ایسا مردم خیز خطۂ تھا جس کی آغوش میں کتنے ہی نامور اہل علم و فضل مدفون

ہیں۔ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے اسی شہر میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (۱۴ شعبان ۷۰۷ھ۔ ۷۸۵ھ) کے مزار سے ملحق مسجد حاجات میں ریاضت اور مجاہدہ کیا' روحانی و علمی فیض سے بہرہ ور ہوئے اور مقام ولایت کے ابتدائی مراحل' یہیں طے کئے۔ حتی کہ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ" دہلوی نے بھی اُوچ کی اِسی مسجد میں چلہ کشی کی اور اعتکاف کیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اُوچ کو اپنے روحانی و علمی فیوض سے بہرہ ور کرنے والے ابتدائی صوفیاء کرام میں سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ سید جلال الدین بخاریؒ کو بڑی اہمیت حاصل ہے وہ تقریباً ۱۲۴۲ء میں شیخ الاسلامؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے ملتان سے اُوچ پہنچے اور یہاں مشہور درس گاہ قائم کی جو ''خانقاہ جلالیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس مدرسے کے نصاب میں تفسیر' صحاح ستہ' مشارق الانوار' شرح کبیر' مشکواۃ المصابیح' فقہ اکبر' صرف اور لغت ادب کی کتب شامل تھیں۔ آپؒ کے انتقال کے بعد درس و تدریس کا یہ سلسلہ حضرتؒ کے اہل خانہ اور شاگردوں کی وساطت سے جاری رہا۔

اُوچ کا ایک اور مشہور مدرسہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے استاد قاضی بہاء الدین اُوچیؒ جنہیں عموماً بہاء الحلیمؒ کے نام سے جانا جاتا ہے' نے ''بہائیہ'' کے نام سے قائم کیا جہاں طلباء اور مریدین اسلامی تعلیمات سے فیض یاب ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ ایک اور مشہور درس گاہ شیخ جمال خنداں روؒ (وفات ۱۳۲۵ء) کی خانقاہ سے منسلک تھی۔ شیخ جمالؒ کے بعد اُن کے بیٹے شیخ رضی الدین گنج عالمؒ (۱۲۶۸ء۔ ۱۳۶۸ء) اس مدرسے کے مہتمم مقرر ہوئے جہاں ہدایہ' بزدوی' مشارق الانوار' مشکواۃ المصابیح اور عوارف المعارف جیسی کتب کا درس دیا جاتا تھا۔ (۱۴) لہٰذا اس طرح خطۂ پاک اُوچ کم و بیش پانچ سو برس تک مذہبی تعلیمات کی درس و تدریس کا منبع و محور رہا۔ اس خطۂ سے منسلک بزرگان دین اور اولیاء و مشائخ کرام کا کام صرف بندگان خدا کی اصلاح تک محدود نہ تھا بلکہ جہاں اُنہوں نے خلق خدا کو علمی و عملی فیوض و برکات سے مالا مال کیا وہاں معتوب و مظلوم مسلمانوں کو محفوظ کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کی رسم کو از سر نو زندہ کیا۔

مغلوں کے دور حکومت میں اگرچہ شعبۂ تعلیم ایک آزاد حیثیت رکھتا تھا تاہم حکومت نے بڑے بڑے شہروں میں فروغ تعلیم کے لئے قدرے معاونت کی۔ اس دور میں مسجد مکتبوں اور پاٹھ شالاؤں کا عام رواج تھا۔ جو چند ایک سرکاری اسکول تھے وہاں باضابطہ نصاب تعلیم رائج تھا اور علم ہندسہ' حساب' زراعت' جیومیٹری' فلکیات' قانون' فلسفہ' طب اور تاریخ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ اس دور میں منتخب روزگار محققین مثلاً مولانا محمود مفتی' ملا علاء الدین' مولانا جلال' شیخ اسحاق کاکی نیز شیخ داؤد' مولانا عبد اللہ سلطان پوری' قاضی صدر الدین جالندھری' شیخ معین' مولانا عبد الشاکر' مولانا اللہ داد' سلطان پوری اور قاضی نور اللہ شوستری درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک تھے۔ طلب علم کی یہ کیفیت

تھی کہ سنسکرت کی تعلیم کے حصول کے لئے بھی ایک گروہ کوشاں تھا اور اِسی زمانہ میں عیسائیوں کا ایک مشن اسکول ملتان میں قائم ہو چکا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کا فطری طور پر مذہب کی طرف رجحان تھا اس لئے عام تعلیم مذہبی بنیادوں پر دی جاتی تھی لیکن دیگر علوم پر بھی توجہ دی جانے لگی۔ عظیم مغلوں کے دور میں مغل بادشاہوں اور ان کی متابعت میں مغل امراء کی دلچسپی کے سبب علم و ادب اور فنون لطیفہ میں بڑی ترقی ہوئی۔ جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاہی دربار کی طرح ہر صوبیدار بلکہ ہر بڑے امیر کی بارگاہ کے ساتھ اہل علم اور فن کار وابستہ ہوتے تھے جس کے سبب علوم و فنون کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ مغل مصوری کے بعض اعلیٰ نمونے لاہور کے عجائب گھر میں موجود ہیں۔ علماء میں ملا عبداللہ سلطان پوری اور مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی اور صوفیا میں شیخ میاں میرؒ اور ملا شاہ قادری کے نام ممتاز ٹھہرے۔ (۱۵) نورالدین جہانگیر (۱۶۰۵ء۔ ۱۶۲۷ء) کے ایک گورنر قلیج خان اندجانی کے بارے میں ماثرالامرأ میں تحریر ہے :

> قلیج خان بہت پرہیزگار اور متقی تھا اور متصلب سنی تھا ہمیشہ علوم کے درس اور طلبہ کے افادے میں مشغول رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پنجاب کی صوبیداری کے زمانے میں ایک پہر تک وہ مدرسہ میں فقہ' تفسیر' اور حدیث کے لئے ٹھہرتا تھا اور وہ علوم شرعیہ کی ترویج و اشاعت میں بہت کوشش کرتا تھا۔ وہاں (پنجاب) کے لوگ اس سے تعارف اور اپنے مقاصد کے پورے ہونے کی امید میں بہت شوق سے تحصیل علوم کرتے تھے (۱۶)

اِس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ علماء فضلا کی تحقیقی مذہبی خدمات کو بہت پذیرائی حاصل تھی جیسا کہ ایک بزرگ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کی علمی خدمات کے عوض ''شاہ جہاں نے دو مرتبہ اُن کو سونے میں تلوایا۔ ان کی تصنیفات کا بڑا چرچا تھا'' (۱۷) اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸ء۔ ۱۷۰۷ء) نے پنجاب میں فقہ اور دینیات کے علم کی ترویج کے لئے پنجابی زبان سے بھی استفادہ کیا اور اسطرح مغلوں کے دور میں اس پورے خطۂ میں علمی ترقی کا عمل جاری رہا۔ مغلیہ دورِ انحطاط میں جب نواب معین الملک عرف میر منو گورنر پنجاب کے دور تک پنجاب کے مسلمانوں میں تعلیم و تعلم کا گہرا شغف پایا جاتا تھا۔ قدم قدم پر مساجد اور ان سے منسلک مکاتب و مدارس قائم تھے۔ اس کے علاوہ نجی مدرسوں اور خانقاہوں سے متصل مدارس کا بھی جال بچھا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ''نواب معین الملک ایک روپیہ روز طالب العلموں کو وظیفہ دیتے تھے'' (۱۸) جنوبی پنجاب میں واقع خطۂ پاک اُوچ کے علاوہ اس علاقے میں خانپور کے نزدیک ججہ عباسیاں کے مقام پر حضرت شیخ جنید کی خانقاہ سے منسلک ایک مدرسہ دینی علوم سے متعلق خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ اسی طرح ضلع رحیم یار خان میں مئو مبارک کے مقام پر ایک عرصہ تک سلطان حمید الدین حاکمؒ (وفات ۱۳۴۹ء) نے جو دینی علوم اور تصوف کے عالم تھے دینی تعلیمات کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے

تفسیر' فقہ اور دیگر علوم کے بارے میں سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ علم صرف پر ''پنج نامہ'' کے نام سے آپ کی تصنیف درس نظامی کر درس گاہوں کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ نکم الدین سیرانیؒ (۱۷۲۶ء۔ ۱۷۸۲ء) نے بہاولپور شہر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ آپؒ کا علمی تجربہ اس قدر مسلمہ تھا کہ قرب و جوار کے طلباء بھی آپ سے فیض یاب ہونے کے لئے ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔ خصوصاً بہاولپور مدرسہ عربیہ کے طالب علموں کو جب کبھی کوئی تعلیمی مشکل پیش آتی تو وہ آپ سے استفادہ کرتے تھے۔۔بے لوث خدمات کا یہ عالم تھا کہ آپؒ نے کبھی کسی حکمران سے وظیفہ قبول کرنا پسند نہ کیا۔ بہاولپور شہر کے ایک اور جید عالم حضرت نور شاہ بخاریؒ تھے جن کا دینی مدرسہ درس و تدریس کا ایک بڑا مرکز تھا۔ خطۂ بہاولپور کے مشرقی علاقے (چشتیاں) کے ایک بزرگ خواجہ نور محمد مہاروی (۱۷۲۹ء۔ ۱۷۹۱ء) تھے جنہیں روحانیت کا معلم اول قرار دیا جاتا ہے (۲۰) آپ نے مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت کے علاوہ انہیں شریعت و طریقت کا درس دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ علماء اور صالحین کی ایک جماعت تیار کی جس نے دیہی علاقوں میں دینی تعلیم عام کرنے کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ یہاں بہاول گڑھ (موجودہ بہاولنگر) کے مولوی اللہ بخش کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے شاہ عبدالرحیم سے فیض علم حاصل کیا اور واپس آکر مسلمانوں کی دینی اصلاح و اشاعت تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے دینیات کا ایک مدرسہ اور کئی دیگر دینی تعلیمی درس گاہیں قائم کیں جہاں قرآن حکیم اور دیگر اسلامی تعلیمات کی درس و تدریس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ خیر پور ٹامیوالی کے ایک نامور بزرگ حضرت خواجہ خدا بخش (۱۷۳۷ء۔ ۱۸۳۴ء) جنہوں نے ابتدائی طور پر مشائخ ملتان اور بعد ازاں مدرسہ رحیمیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء۔ ۱۷۶۲ء) سے فیض حاصل کیا' نواب صادق محمد ثانی (۱۸۰۹ء۔ ۱۸۲۵ء) کی درخواست پر خیر پور ٹامیوالی واپس پہنچ کر ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کا تمام خرچ ریاستی خزانے سے پورا ہوتا تھا (۱۳) اس مدرسے میں تفسیر' حدیث و فقہ' عقائد' علم ہیئت' صرف نحو اور منطق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ کی دو تصنیفات ''ذوقیہ'' اور ''توفیقیہ'' کے نام سے مشہور ہیں جو علم توحید و رسالت کے گراں قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ خطۂ بہاولپور کے ایک اور معروف بزرگ خواجہ قاضی محمد عاقل (وفات ۱۸۱۴ء) کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ حضرت غلام فرید (۱۸۴۵ء۔ ۱۹۰۱ء) کے جد امجد' برگزیدہ عالم دین اور ایک باکمال صوفی تھے۔ آپ امیر مبارک خان ثانی (۱۷۴۹ء۔ ۱۷۷۲ء) اور امیر صادق محمد خان ثانی (۱۸۰۹ء ۱۸۲۵ء) کے ہمعصر تھے۔ آپ نے خواجہ نور محمد مہاروی کی ہمراہی میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگ خواجہ فخر الدین دہلوی سے دو مرتبہ ملاقات کی۔ اس کے علاوہ دہلی میں مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ء۔ ۱۸۳۷ء) اور بہادر شاہ ظفر (۱۸۳۷ء۔ ۱۸۵۷ء) سے ملاقات کی جس کا ذکر بہادر شاہ ظفر نے ایک شعر کی صورت میں

کیا۔(۲۲) ریاست بہاولپور میں خواجہ محمد عاقل نے کوٹ مٹھن اور چاچڑاں شریف میں مدرسے قائم کیے جہاں بہت سے جلیل القدر علماء کرام آپ کی سرپرستی میں درس تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں آپ شیدانی (تحصیل لیاقت پور) تشریف لے گئے اور وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان مدارس کے نصاب میں ''مشکواۃ شریف' احیاء العلوم' صحیح بخاری' شرح عقائد' سواء السبیل' فصوص الحکم کتب شامل تھیں''۔(۲۳) والیان ریاست کی جانب سے مدرسوں کی مالی اعانت کے لئے ۳۵ ہزار بگھہ زمین بطور اوقاف مختص تھی۔(۲۴) خواجہ محمد عاقل کے نامور مرید و شاگرد خواجہ گل محمد (۱۷۵۵ء۔ ۱۸۲۷ء) نے بھی احمد پور شرقیہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس میں نادار طلباء کے لئے لنگر کا انتظام بھی کیا گیا۔(۲۵) آپ کی بڑی دینی خدمت ''تکملہ سیر الاولیاء'' ہے اس کتاب میں آپ نے مشہور مشائخ اور صوفیا کرام کے افکار اور تعلیمات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست بہاول پور میں ابتداء اسلام سے نوابین کے دور کے آغاز تک مختلف مقامات پر بے شمار دینی مدارس قائم ہو چکے تھے جن میں بستی مولویاں' علاقہ خانپور کٹورہ' کا مدرسہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی بستی سے متصل دین پور شریف کا قیام عمل میں آیا جہاں بعض مذہبی و سیاسی تحریکات نے جنم لیا۔ خاص طور پر تحریک ریشمی رومال کے حوالے سے اسے ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ اس اسلامی مرکز کے بانی مولانا غلام احمد (۱۸۳۵ء۔ ۱۹۳۵ء) کی ابتدائی تعلیم بستی مولویاں کے مدرسہ میں ہوئی تھی۔ بطور ذریعہ تعلیم یہاں فارسی و عربی زبان کی بنیادی کتب پڑھائی جاتی تھیں۔(۲۶) دین پور کا قیام ۱۸۷۶ء کے لگ بھگ ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے باطنی۔ ظاہری علوم کا بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں ظاہری و شرعی تعلیم کے ساتھ ساتھ روحانی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لهذا یہاں حضرت شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی بنیاد پر ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا درس دیا گیا جس میں احکام شرعی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ایک فلاحی ریاست کے قیام کا تصور بھی موجود تھا۔ اس مدرسے سے متصل ایک مستقل لنگر بھی قائم کیا گیا۔ اسی مدرسے میں نوعمر مولانا عبید اللہ سندھی (پیدائش ۱۸۷۲ء) قبولیت اسلام کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لئے داخل ہوئے (۲۷)

مغلیہ حکومت کے دور زوال میں جب پنجاب میں اسلامی اقتدار کا خاتمہ ہو رہا تھا اور سکھوں کے تسلط اور مظالم کے سبب مسلمان علماء پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ خطہ بہاولپور کے علمی و مذہبی اہمیت کے جلوس' یہاں پر عباسی داؤد پوتروں کی سربراہی میں ۱۷۲۷ء میں اسلامی ریاست معرض وجود میں آگئی تھی۔ ریاست بہاول پور کے نوابین اپنا سلسلہ نسب خلافت بغداد کے عباسی خلفاء سے منسوب کرتے ہیں۔ تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ عباسی خلفاء کے دور میں نہ صرف یہ کہ بغداد علم و ادب کا گہوارہ رہا بلکہ یہاں سے نقل مکانی کر کے مصر اور پھر وہاں سے سندھ کی جانب کوچ کر جانے والے عباسی خانوادوں

نے اسی علم پروری کے پس منظر کے ناطے بآلاخر ریاست بہاول پور کو علم وعرفان کے گہوارے میں بدلنے کے لئے خصوصی توجہ دی۔ اگرچہ ابتدائی دور کے امیران بہاول پور کا زیادہ وقت قیام اور پھر استحکام سلطنت کی نظر ہوا تاہم محمد بہاول خان ثانی (۱۷۷۲ء۔۱۸۰۹ء) کے دربار سے متعدد علمی شخصیات کی وابستگی کا ذکر ملتا ہے۔ اسی نواب کے دور اقتدار میں ریاست بہاول پور کی تاریخ سے متعلق پہلی کتاب ''لالہ دولت رائے نے تقریباً ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ تحریر کی۔ (۲۸) لالہ دولت رائے اور ان کے والد عزت رائے دربار شاہی سے منسلک تھے اور اپنی علمی اہلیت کے سبب بطور ایلچی دیگر ریاستوں کو روانہ کئے جاتے تھے (۲۹) نواب صادق محمد خان ثانی نے بھی اپنے دور اقتدار میں علمی سرپرستی جاری رکھی۔ لہذا مسند نشین ہونے کے بعد جب اراکین ریاست کا تقرر عمل میں آیا تو اتالیق کا منصب مولوی شیر علی اور تاریخ نویسی کا فریضہ مولوی محمد اعظم کو دیا گیا۔ مولوی محمد اعظم نے فارسی زبان میں بہاول پور کی تاریخ بعنوان ''جواہر عباسیہ'' تحریر کی جس کی کتابت ۱۸۳۸ء میں ہوئی تھی۔ (۳۰) اسی دور کی ایک اور علمی شخصیت مولوی عبدالماجد غوری تھے جو اگرچہ یہیں بہاولپور میں پیدا ہوئے لیکن انہوں نے اپنی تعلیم ٹونک اور عرب سے مکمل کی اور اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ٹونک میں گزارا۔ آپ کے جد امجد مولوی نور النبی کو نواب بہاول خان ثالث (۱۸۲۵ء۔۱۸۵۲ء) درگاہ اجمیر شریف سے بہاولپور لائے تھے۔ آپ کا خاندان اپنی علمی کاوشوں کی بدولت اعلی مناصب پر تعینات ہوتا رہا۔ مولانا کی اولاد میں سے مولوی عبدالماجد نے تیرھویں صدی ہجری کے اختتام تک عربی زبان میں کم وبیش ستر ۷۰ کے قریب مقالات تحریر کئے (۳۱) نواب بہاول خان ثالث کا دور علمی سرپرستی کے اعتبار سے بہت اہم ہے کیونکہ وہ خود اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور اپنا زیادہ وقت کتب خانہ میں گزارتے تھے۔ انہوں نے سرکاری سطح پر مختلف علوم کی سرپرستی کی اور فارسی کو بطور سرکاری زبان اختیار کرتے ہوئے اِسے بڑی اہمیت دی۔ انگریزوں کے خلاف موراج حاکم ملتان کی بغاوت اور اس بغاوت کے فروغ کے دوران انگریز ریذیڈنٹ مقیم لاہور اور نواب بہاول خان ثالث کے درمیان تمام خط وکتابت فارسی زبان میں ہوئی۔ اسی دوران مقامی ایجنٹ پیر محمد ابراہیم خان (وفات ۱۸۵۵ء) جو برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے دربار بہاول پور میں متعین تھے' انہوں نے اپنے قیام کے دوران ۱۸۵۴ء مین فارسی زبان میں سفر نامہ ''سیر ستان'' کے نام سے تحریر کیا۔ اگرچہ اس کتاب کا ابتدائی حصہ ان کے سفر انگلستان کے واقعات سے متعلق ہے تاہم مصنف نے اپنی کتاب میں اپنے قیام بہاول پور کے چودہ سالہ مشاہدات ومطالعے کی روشنی میں اس خطے کی تہذیب و ثقافت کو جامع انداز میں قلمبند کیا ہے اور یہ کتاب ۱۸۵۴ء میں ملتان میں شائع ہوئی۔ (۳۲) اس کے علاوہ پیر محمد ابراہیم کو بہاول پور کے دفاتر میں اردو زبان کے اجراء کا بانی بھی قرار دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جب ۱۸۴۶ء میں ریاست بہاول پور اور بیکانیر کے راجہ کے درمیان سرحدوں کے حدبندی کے لئے

معاملہ طے پایا تو تمام روداد / خط وکتابت قدیم اردو زبان میں کی گئی۔(۳۳) نواب فتح خان عباسی (۱۸۵۴ء۔۱۸۵۸ء) کا دور اگرچہ بہت مختصر تھا تاہم انہوں نے علماء کی سرپرستی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اپنے ولی عہد کی تعلیم وتربیت کے لئے مولوی ظہور الدین کو اتالیق مقرر کیا اور مولوی محمود الدین اور مولوی جمیل الدین جیسے جید علماء کو منصب قضاء پر مامور کیا۔ لاہور سے تعلق رکھنے والے فقیر برادران' فقیر سرج الدین اور فقیر شاہ نواز الدین کو اعلیٰ مناصب پر فائز کیا جنہوں نے بہاول پور میں اردو ادب کی اشاعت کا سنگ بنیاد رکھا۔(۳۴) نواب بہاول خان رابع (۱۸۵۸ء۔۱۸۶۶ء) کے دور میں اس خطے میں سید مراد شاہ (۳۵)(۱۸۶۵ء۔۱۸۷۶ء) کی خدمات کی وساطت سے اردو کو صحیح طریقے سے فروغ حاصل ہوا۔ نواب صادق محمد خان رابع (۱۸۶۶ء۔۱۸۹۹ء) کا دور بھی علم پروری کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس دور تک کے نوابین کی علم دوستی کے سبب ریاست بہاولپور کے مختلف مقامات مثلاً اُوچ۔ بہاول پور' مہار شریف' خیر پور ٹامیوالی' دین پور' چاچڑاں شریف اور خانقاہ شریف میں علمی مراکز قائم ہو چکے تھے اور وہاں درس وتدریس کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری تھا۔ تاہم نومبر ۱۸۶۶ء سے قبل ریاست میں تعلیم وتربیت کے لئے جدید خطوط پر کوئی ادارہ قائم نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ انگریزی کی آمد کے بعد برصغیر کے مختلف شہروں میں اسکول قائم ہو چکے تھے' پنجاب میں اس طرز کے اسکول کے قیام کا سلسلہ چرچ مشنری سوسائٹی کے عمل دخل کے تحت کوٹ (شملہ پہاڑی) کے مقام پر ۱۸۴۱ء میں اسکول کے قیام سے ہو چکا تھا۔(۳۶) دوسرا اسکول ۱۸۴۹ء میں لاہور میں قائم ہوا۔ اس اسکول کی موسس امریکن مشن سوسائٹی تھی۔ اس کے بعد اس سوسائٹی نے ۱۸۵۱ء میں لدھیانہ میں اسکول قائم کیا اور ۱۸۵۴ء کے دوران امرتسر اور انبالہ میں اسکول قائم ہو چکے تھے۔ ان ابتدائی اسکولوں کے علاوہ مشنری کے چند ثانوی اسکول بھی تھے۔ پنجاب میں حکومت برطانیہ کی جانب سے پہلا گورنمنٹ اسکول ایڈورڈس سپرنٹنڈنٹ ہل اسٹیشن شملہ میں قائم کیا گیا جس کے اخراجات امپریل ریونیوز سے پورے کئے جاتے تھے۔ دوسرا اسکول کرنل ایبٹ نے ہوشیار پور میں قائم کیا جس کے اخراجات زمینداروں سے ٹیکس وصول کر کے پورے کئے جاتے تھے۔ غرضیکہ الحاق پنجاب سے قبل ہی انگریزوں نے تیرہ ضلعی اسکول قائم کر دیئے تھے جن میں طالب علموں کی تعداد ۲۱۳ تھی۔(۳۷) اس طرح ۱۸۵۱ء تک امرتسر' راولپنڈی' گجرات' شاہ پور' ملتان' جہلم' اور جالندھر پور میں حکومت نے جدید تعلیم کے حصول کے لئے اسکول قائم کئے جہاں انگلش' جومیٹری' جغرافیہ' اور دیگر مروجہ علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۸۵۶ء۔۱۸۵۷ء کی رپورٹ کے مطابق پنجاب میں سرکاری اسکولوں کی تعداد ۲۴ ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۵ء میں مسٹر آرنلڈ نے پنجاب میں یوپی کے نمونے پر عوامی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تعلیمی اسکیم مرتب کی جس پر ۱۸۵۶ء سے عمل درآمد شروع ہوا۔ اس اسکیم کا مقصد یہ تھا

کہ پرانے دیہاتی اسکولوں کو جدید طرز تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ یہاں جدید طرز پر پنجاب میں قائم کئے جانے والے سرکاری اسکولوں کا تذکرہ اس لئے کرنا ضروری ہے کہ انگریزی کی جانب سے پنجاب میں تعلیمی سرپرستی کے نظام سے متاثر ہو کر ریاست بہاول پور میں بھی جدید علوم اور نئے طریقہ تعلیم کو متعارف کراتے ہوئے سی سی منچن کی رہنمائی میں سرکاری سطح پر اسکولوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا۔ اگرچہ ایجنسی کے قیام (۱۸۶٦ء۔ ۱۸۷۹ء) سے قبل یہاں امیران بہاول پور کی سرپرستی میں بہت سے دینی مدارس موجود تھے جہاں مذہبی تعلیم پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی لہٰذا ریاست کے اسلامی تشخص کو مد نظر رکھتے ہوئے ان جدید اسکولوں میں بھی دینیات' عربی' قواعد اور فارسی کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اس طرح منچن کی قیادت میں سرکاری سطح پر اٹھارہ پرائمری اسکول قائم ہوئے۔ جبکہ ۱۸۷۹ء تک پرائمری اسکولوں کی تعداد ۳۵ تک پہنچ چکی تھی۔ اس سے قبل ۱۸۷۲ء میں چرچ مشن سوسائٹی کی طرف سے مڈل کے درجے تک کا ایک اینگلوورنیکلر اسکول قائم ہو چکا تھا جہاں یکم مئی ۱۸۶۲ء سے ۲۹ طلباء کے داخلے کے ساتھ تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور بہت جلد تعداد ۱۷٦ طلباء تک پہنچ گئی۔ (۳۸) ۱۸۷۱ء میں اساتذہ کی تربیت کے لئے ایک نارمل اسکول کھولا گیا جس کا نام ''مدرسۃ المعلمین'' رکھا گیا اور سید چراغ شاہ اس کے پہلے صدر مدرس تھے۔ اساتذہ کی تربیت کے لئے چشتیاں اور خان پور میں بھی نارمل اسکول کھولے گئے۔ نیز نارمل اسکول برائے معلمات کا قیام بھی عمل میں آیا۔ امیر صادق محمد خان رابع نے ریاست میں فروغ علم کے لئے ۱۸۸۲ء مین ماہر تعلیم خان بہادر منشی غلام نبی کو ناظم تعلیمات مقرر کیا۔ خان بہادر موصوف نے تعلیمی ترقی کیلئے خصوصی اقدامات کئے اور ایک مجلس عاملہ ترتیب دی جس نے متعدد کارآمد تجاویز پیش کیں۔ ۱۸۸۲ء میں نارمل اسکول بہاول پور کو اینگلوورنیکلر ہائی اسکول میں تبدیل کر دیا گیا جو نویں اور دسویں جماعتوں پر مشتمل تھا اور اس کا نام ایجرٹن رکھا گیا اس کے ساتھ علوم شرقیہ کا شعبہ بھی بڑھا دیا گیا تاکہ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر طلباء پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات ''علوم شرقیہ'' میں شامل ہو سکیں۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جہاں جدید علوم کی تعلیم کے لئے انگریز حکومت کی طرز پر تعلیمی ادارے قائم کئے جا رہے تھے وہاں ۱۸۷۹ء میں بہاول پور میں ایک دینی درسگاہ' عربی زبان و علوم اسلامیہ کی ترویج کے لئے' مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی سرپرستی میں ''مدرسہ صدر دینیات'' کے نام سے قائم کی گئی تھی۔ (۴۰) جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیران بہاول پور مغربی علوم کی ترویج کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے فروغ کے لئے بھی اتنے ہی کوشاں تھے۔ دوسری جانب جدید علوم سے متعلق اداروں کی تشکیل و ترقی کا سلسلہ جاری رہا اور ۱۸۸۳ء میں اورینٹل ڈیپارٹمنٹ کو ورنیکلر ہائی اسکول میں بدل دیا گیا۔ اسی سال ایک اور ورنیکلر مڈل اسکول' صادق اسکول کے نام سے' عوامی چندے سے جاری کیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اس اسکول کے اخراجات کی ذمہ داری حکومت نے لے لی۔ ۱۸۸٦ء میں

رحیم یار خاں' منچن آباد' احمد پور شرقیہ' آلہ آباد' خانپور اور احمد پور لمہ میں اسکول قائم ہوئے۔ ۲۵ اپریل ۱۸۸۶ء کو مولوی محمد دین کی سربراہی میں ایجوکیشنل کمیٹی کی سفارشات پر ایجرٹن اسکول کو کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ بعد میں اس کالج کا نام اعلیٰ حضرت سر صادق محمد خان عباسی چہارم اور گورنر پنجاب ای۔ جی ایجرٹن کے ناموں کو ملا کر صادق ایجرٹن کالج رکھ دیا گیا (۴۱) جو آج ایک بڑی درسگاہ کی حیثیت سے اس علاقے کی علمی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ماضی میں صادق ایجرٹن کالج میں جن نامور اساتذہ نے تعلیمی خدمات سرانجام دیں اُن میں مولانا وحید الدین سلیم' مولوی غلام احمد اختر' شہزاد اشرف گورگانی جیسے یگانہء عصر اساتذہ اور پروفیسر شجاع ناموس جیسے ذی علم سکالر شامل تھے۔ ماجد قریشی نے مولانا عزیز الرحمٰن کے حوالے سے اس ادارہ کے قابل رشک اساتذہ کا بہت دلآویز نقشہ کھینچا ہے:

> حضرت علامہ مرحوم محمد وحید الدین سلیم پانی پتی مدرس ریاضی وادبیات نے کالج کے علم وادب میں روح پھونک دی۔ حضرت علامہ ابو البرکات مولوی محمد اختر مرحوم نے فارسی' عربی ادب میں اور مولانا ابو الھام غلام محمد اختر مرحوم نے فارسی اور اردو میں اتنی طاقت بھر دی کہ اردو زبان بہاول پور میں ہمہ گیر ہوگئی۔ اسی زمانہ میں شہزاد مرزا محمد اشرف صاحب بی۔ اے گورگانی' مولوی محمد دین صاحب بی۔ اے مؤلف صادق التواریخ بہاول پور ملک محمد دین صاحب مؤلف گزیٹر بہاول پور نے اردو زبان کو اپنی تحریروں اور تصانیف میں لے کر زبان کو بحیثیت زبان بہت کچھ بنا دیا۔ (۴۲)

نواب موصوف کی علم دوستی کا یہ عالم تھا کہ گوجرانولہ کے ایک مشہور عالم مولانا عزیز الدین کو دولت خانہ بہاول پور شاہی مسجد کا خطیب و امام مقرر کیا۔ مولانا فن تاریخ گوئی میں یکتا تھے اور اس کے علاوہ خطاطی و خوشنویسی کے بہت ماہر تھے لہٰذا نواب کی جانب سے ''یاقوت رقم'' کا خطاب دیا گیا (۴۳) انکی سرپرستی میں دولت خانہ بہاولپور کی شاہی مسجد میں خطاطی و نقاشی کا ایک باقاعدہ شعبہ قائم ہوا۔ ریاست کی تمام بڑی مساجد کی تاریخ تعمیر ان ہی نے نکالی اور ان مساجد میں قرآنی آیات اور نقاشی کے نادر نمونے بھی اپنے ہاتھوں سے تحریر کئے۔ مولانا کے انداز خطاطی نے اس قدر شہرت دوام حاصل کی کہ بعد ازاں اس کی تقلید ریاست سے باہر پنجاب بھر کی مساجد میں کی گئی۔ مولانا عزیز الدین کی تصانیف میں ''باز نامہ'' کا اردو ترجمہ ''سفر نامہ حج اور مسدس نعتیہ'' شامل ہیں جو مخطوطات کی شکل میں صادق گڑھ پیلس کی شاہی لائبریری میں موجود ہیں۔ مولانا کو بعد ازاں ''صادق الاخبار'' کا ایڈیٹر اور سرکاری مطبع صادق الانوار کا قائم مقام سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا۔ (۴۴) جہاں سے درج بالا ہفت روزہ اردو اخبار نکلنا شروع ہوا اور سرکاری گزٹ کا اجراء عمل میں آیا اور ریاست کے مروجہ قوانین و ضوابط کو اردو زبان کے قالب میں

ڈھالا گیا جس سے اس خطئہ میں اردو کو سرکاری سرپرستی کی بدولت فروغ حاصل ہوا (۴۵) الغرض ریاست کے حکمرانوں کی خصوصی توجہ کے سبب علم و ادب کو فروغ ملا اور ۱۹۰۴ء۔ ۱۹۰۵ء تک ریاست میں ایک صادق ایجرٹن کالج' اسکول' نوور نیکلر (بشمول چرچ مشن اسکول) ۳۵ پرئمری اسکول قائم ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ بہاول پور' احمد پور شرقیہ' چاچڑاں' خیر پور ٹامیوالی' قائم پور' چشتیاں' اور پھوگان میں دینیات کے مدرسے موجود تھے جہاں حدیث' تفسیر اور عربی صرف و نحو کی تعلیم دی جاتی تھی۔

سر محمد صادق خان خامس کو جب ۱۹۲۴ء میں اختیارات تفویض ہوئے تو اسی سال رسم تاجپوشی کی خوشی میں عوام نے بطور یادگار ایک پبلک لائبریری قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے ''بطور عطیہ ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم چندہ کر کے حاصل کی گئی۔ ۸۸ کنال ۱۳ مرلے قطعہ اراضی امیر بہاول پور نے بطور عطیہ مرحمت فرمائی۔ ۸ مارچ ۱۹۲۴ء میں اس وقت کے وائسرائے ہند سر روفس ڈینڈیل آئزک آف ریڈنگ نے عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور مقامی دستور کے مطابق ''صادق ریڈنگ لائبریری'' نام رکھا گیا''۔ (۴۶) یہ لائبریری حصول علم کے طالبان کی علمی ضروریات کو پورا کرنے کا اہم ذریعہ ثابت ہوئی۔ نواب موصوف نے امور داخلہ اور وزارت تعلیم کا قلمدان مولوی غلام حسین کے سپرد کیا۔ انہوں نے وزارت کا منصب جلیلہ سنبھالتے ہی جامعہ الازہر کے معیار کی ایک درس گاہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور مولانا محمد صادق (جو صدر دینیات کے فارغ التحصیل تھے) کو اس کا خاکہ مرتب کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا اس طرح جامعہ عباسیہ کی بنیاد رکھی گئی جہاں ۱۵ اگست ۱۹۲۵ء کو باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ علوم عربی کی تعلیمات پر بطور خاص توجہ دی گئی اور کئی ماہر علوم دینیہ کو بیرون ریاست سے بلا کر اس جامعہ میں تدریس کے اہم منصب پر فائز کیا گیا۔ (۴۷) یہ اعلیٰ علمی درس گاہ پاکستان کی پہلی اسلامی یونیورسٹی تھی جس کا انتظام نظامت اوقاف کے سپرد کیا گیا۔ یہ بڑا تاریخی کارنامہ ہے جس پر موجودہ اور آئندہ نسلوں کو فخر رہے گا۔ جب ۱۹۷۵ء میں اسے حکومت کی جانب سے مکمل یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا تو روزنامہ مشرق میں درج ذیل اداریہ تحریر کیا گیا:

> پنجاب اسمبلی نے بہاول پور میں اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا مسودہ قانون منظور کر لیا ہے۔ اس یونیورسٹی میں مصر کی مشہور جامعہ الازہر کی طرز پر تعلیم دی جائے گی۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوگی کہ اس میں آرٹس اور سائنس کی اعلیٰ تعلیم کے شعبے بھی قائم کئے جائیں گے اور اس کے ساتھ صوبہ کا کوئی بھی تعلیمی ادارہ الحاق کر سکے گا۔ (۴۸)

مولوی غلام حسین صحیح معنوں میں فروغ تعلیم کے طالب تھے۔ چنانچہ ان کی دلچسپی کے سبب ریاست کے مختلف شہروں میں کافی اسکول قائم ہوئے۔ آپ ہی کی تحریک پر پہلی مرتبہ ۲۵ ریاستی طلباء کو اعلیٰ فنی تعلیم کے لئے سرکاری خرچ پر انگلستان روانہ کیا گیا۔ نتیجتاً عوام و خواص میں تعلیم کی اہمیت اور حصول تعلیم

کا احساس اجاگر ہوا۔ عوامی سطح پر فروغ تعلیم کے لئے متعدد انجمنیں قائم ہوئیں جن کے ذریعہ جہاں ایک جانب تعلیمی سہولتوں کے لئے کام کیا گیا وہاں ماہر کھلاڑی بھی پیدا ہونا شروع ہوئے۔ جیسا کہ نذیر علی شاہ عسکری رقمطراز ہیں کہ ''اسکولوں میں فٹ بال اور کرکٹ کے کھیلوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ریاست بھر میں سالانہ کھیلوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس عہد میں ڈرامہ' موسیقی اور شاعری کو خوب فروغ حاصل ہوا''(۴۹)

مولوی غلام حسین کے انتقال کے بعد ان کے فرزند مولوی شمس الدین محمد وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ انہیں بھی مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی نشاۃ ثانیہ سے بڑا لگاؤ تھا۔ یہی وہ جذبہ تھا جو ان کو کشاں کشاں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں لے جانے کا سبب بنا۔ ۱۹۴۵ء میں جب اس ادارے کا اجلاس ہیکر گارڈن آگرہ میں منعقد ہوا تو مولوی شمس الدین محکمہ تعلیم کے افراد پر مشتمل ایک وفد کے ساتھ اجلاس میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے ''بہاولپوری مہمانوں کی ترکی ٹوپیاں' شیروانی اور شلوار کا لباس عوام و خواص کی توجہ مبذول کراتا تھا''(۵۰) مولوی شمس الدین نے ''اسلام کا نظریہ تعلیم'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا جسے بے حد سراہا گیا۔ اس کے بعد آپ نے ریاست میں تعلیمی اصلاحات کی غرض سے جامعہ ملیہ دہلی اور علی گڑھ یونیورسٹی کا دورہ کیا۔ آپ نے ''علی گڑھ یونیورسٹی کو ریاست کی جانب سے (انجنیئرنگ و میڈیکل) کی تعلیم کے واسطے دو لاکھ روپے اور جامعہ ملیہ کو ایک لاکھ روپے دیئے''(۵۱) مولوی شمس الدین نے اپنے دور وزارت میں جامعہ عباسیہ کی تعمیر و ترقی پر خصوصی توجہ دی اور نصاب کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ تعلیم عام کرنے کے لئے مساجد میں مکاتب کھولنے کی اسکیم جاری کی۔ اس کے علاوہ ریاست میں مذہبی تعلیم کی ترقی کے لئے عربی مدارس کا علیحدہ شعبہ بھی قائم کیا اور علامہ رحمت اللہ ارشد پہلے انسپکٹر عربی مدارس مقرر ہوئے۔ آپ کے زمانے میں سعودی عرب کے ایک تعلیمی وفد وہاں کے وزیر تعلیم کی قیادت میں بہاول پور آیا۔ نواب بہاولپور کے خواہش کے احترام میں مولوی شمس الدین نے ہمیشہ اہل علم کی سرپرستی کی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب' تنظیم' مکاتب' مساجد اور تعلیمی فروغ کے سلسلہ میں جن اکابرین و مشاہرین کی خدمات سے استفادہ کیا گیا ان میں بابائے اردو مولوی عبدالحق' علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں بلکہ علامہ شبیر احمد عثمانی کا انتقال بھی بہاولپور میں ہوا تھا جب وہ ریاست کے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی غرض سے حکومت کی درخواست پر یہاں قیام پذیر تھے۔ اس کے علاوہ مولوی شمس الدین نے سید الطاف حسین بریلوی کو بھی بطور خاص تعلیمی منصوبوں پر تفصیلی تبادلہ خیال کی غرض سے مدعو کیا تھا لیکن ریاست کے حکمرانوں اور عوام کی توجہ تحریک پاکستان کی جانب مرکوز ہونے کے سبب ان تجاویز کو عملی شکل نہ دی جا سکی۔ ۱۹۵۰ء میں سید الطاف علی کی پاکستان ہجرت کے بعد ریاست بہاول پور نے آل پاکستان

ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام اور توسیع علم کے منصوبوں پر بہت تعاون کیا۔ ایجوکیشنل کانفرنس نے سرسید گرلز کالج کراچی جیسا بلند پایہ کالج برائے خواتین قائم کیا۔ نیز اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ اور رسالہ ''العلم'' جاری کر کے جو کارنامے سرانجام دیئے ان سب میں ریاست بہاولپور کی نمایاں خدمات شامل تھیں۔ ریاست بہاولپور کی بیرون ریاست تعلیمی خدمات کی بھی ایک طویل فہرست ہے جیسا کہ ''آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس علی گڑھ کو تقریباً چالیس سال بارہ سو روپے سالانہ ریاست سے بطور عطیہ ملتے رہے'' (۵۲) اس کے علاوہ ''انجمن حمایت اسلام و اسلامیہ کالج لاہور' دارالعلوم دیوبند' مظاہر العلوم سہارنپور' طبیہ کالج دہلی' ندوۃ العلماء لکھنو کو امدادی رقومات بعض صورتوں میں مقرر اور بعض کو وقتاً فوقتاً ملتی رہیں'' (۵۳)

مخدوم زادہ سید حسن محمود کی وزارت تعلیم اور وزارت عظمیٰ کے دوران دوسرے اسکولوں اور کالجوں کی طرح ۱۹۵۰ء میں ایس۔ ای کالج کی بھی نئی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی اور اس کے علاوہ ۱۹۵۴ء میں ایچ سن کالج لاہور کی طرز پر ایک اعلیٰ معیاری صادق پبلک اسکول کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے لئے کافی اراضی حاصل کی گئی جس پر حسب ضرورت شاندار عمارت تعمیر کی گئیں۔ سید حسن محمود اس اسکول کی گورننگ کونسل کے پہلے صدر تھے۔ لیکن وحدت مغربی پاکستان کے بعد اس ادارے کی صدارت گورنر پنجاب کو سونپ دی گئی۔ اس کے علاوہ تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے جس کے نتیجے کے طور پر قیام پاکستان کے وقت ریاست کے تینوں اضلاع رحیم یار خان' بہاولنگر اور بہاولپور میں لڑکیوں کو اسکولوں اور کالجوں میں نہ بھیجنے کی روایت کے باوجود' پندرہ گرلز پرائمری اسکول وجود میں آچکے تھے جہاں مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ ریاست بہاولپور میں جن تعلیمی اداروں نے بیسویں صدی عیسوی میں جہالت کی تاریکی دور کر کے علم و دانش کی روشنی پھیلائی ان میں جامعہ عباسیہ (موجود اسلامیہ یونیورسٹی' صادق ایجرٹن کالج بہاولپور' گورنمنٹ کالج بہاولنگر ور حیم یار خان' صادق گرلز اسکول و کالج بہاولپور' ایس ڈی ہائی اسکول' عباسیہ ہائی اسکول بہاولپور' گورنمنٹ ہائی اسکول رحیم یار خان اور خانپور' طبیہ کالج بہاولپور' ویسٹ پاکستان میڈیکل کالج' صادق پبلک اسکول' فاریسٹ اسکول' مکتب البصیر' ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ' صادق کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ' گورنمنٹ ووکیشنل اسکول فار گرلز' گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی اسکول' گورنمنٹ پولی ٹیکنیکل کالج' ہیلتھ اسسٹنٹ طلباء کی تربیت گاہ' نرسنگ ٹریننگ سنٹر' اپوا کا تعلیمی ورفاہی ادارہ' گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ اور بلائنڈ اسکول بہاولپور کے نام قابل ذکر ہیں۔ عربی مدارس میں تعلیم القرآن' موذب مدارس' رفیق العلماء اور فاضل مدارس شامل رہے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ علوم و فنون کی تربیت کے ساتھ ساتھ طلبا اور طالبات میں مشرقی تہذیب اور اسلامی اخلاق کی ترویج کی حتی الامکان کوشش کی جاتی رہی ہے۔ ایک عرصہ تک

طالبات میں پردے کا سختی سے اہتمام کیا جاتا رہا لیکن اس کے باوجود سخت پردے کے پابند خاندانوں میں بھی تعلیم نسواں کو فروغ حاصل ہوا۔ اس تعلیمی نظام کے تحت ہر تحصیل ہیڈ کوارٹر پر ایک ہائی اسکول اور ہر ضلعی ہیڈ کوارٹر پر ایک ڈگری کالج قائم کیا گیا۔ تربیتی اور کمرشل ادارے الگ کھولے گئے اور طلباء و طالبات کو مساوی تعلیمی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

جہاں تک تنظیم مکاتب اسکیم کا تعلق ہے ریاست میں اس کا آغاز ۱۹۵۳ء میں ہوا۔ اس اسکیم کا اصل مقصد یہ تھا کہ ابتدائی پرائمری تعلیم کی کم از کم تین پرائمری جماعتیں ایسے گاؤں کی مساجد میں قائم کی جائیں جہاں اس سے قبل کوئی پرائمری اسکول موجود نہیں تھا۔ اس کام کے لئے ریاست نے تقریباً چار ہزار ایکڑ اراضی مختص کی تھی جسے ریونیو ڈیپارٹمنٹ کی معرفت لیز کیا جانا تھا۔ لیکن ۱۹۵۹ء میں گورنمنٹ ویسٹ پاکستان نے پٹہ پر دی گئی اراضی سے حاصل شدہ رقم پہلے خزانہ میں جمع کرنے اور پھر مکاتب کے اماموں کو اس آمدنی سے ادائیگی کا سلسلہ متروک قرار دیا اور یہ اراضی ریونیو ڈیپارٹمنٹ کو واپس کردی اور مکاتب کے لئے ''گرانٹ ان ایڈ'' کا سلسلہ جاری کیا جس کی ادائیگی صوبائی بجٹ سے شروع کی گئی (۵۴) دراصل مکتب اسکیم کے تحت ان اسکولوں کو خود کفالت کی بنیاد پر چلانا مقصود تھا اور اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ بہت جلد ریاست کے تمام دیہاتوں میں اسکول قائم ہو گئے۔ اندازہ یہ لگایا گیا تھا کہ پانچ برس گزرنے کے بعد تعلیم کا تناسب ۸۲ فی صد تک پہنچ جائے گا لیکن ون یونٹ کے قیام کے سبب یہ اسکیم پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ (۵۵) علاوہ ازیں میٹرک تک فروغ تعلیم کے لئے سید حسن محمود کا یہ پروگرام تھا کہ ''اس مکتب اسکیم کے علاوہ تعلیم کے محاذ پر ہمارا دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ ہم نے ریاست میں میٹرک تک مفت تعلیم کردی۔ ارادہ تو ہمارا ڈگری کلاسوں تک مفت تعلیم کرنے کا تھا لیکن حکومت پاکستان نے یہ کہہ کر ہمیں اس کی اجازت نہ دی کہ یہ اقدام دوسرے صوبوں کے حق میں تکلیف دہ ثابت ہوگا کیونکہ وہ ایسا نہ کر سکیں گے اور اس طرح پورے پاکستان میں تعلیمی لحاظ سے یکسانیت پیدا نہ ہو سکے گی'' (۵۶)

۱۹۶۷ء۔ ۱۹۶۸ء میں بہاول پور ڈویژن کو کل ۲،۶۳،۰۰۰ روپے امداد دی گئی۔ اس وقت ۵۴۰ مکتب اسکول کام کر رہے تھے جن میں اساتذہ کی تعداد ۶۴۰ تھی۔ ان اساتذہ میں ۹۰ فیصد امام ہائے مسجد متعلقہ تھے۔ ان اسکولوں میں آہستہ آہستہ باضابطہ تربیت یافتہ اساتذہ کی بھرتی کا عمل جاری رہا جنہوں نے امام ہائے مساجد کی جگہ لی۔ (۵۷) ان تربیت یافتہ اساتذہ کی شمولیت سے جو دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید طریقہ ہائے تعلیم سے آگاہ تھے' معیار تعلیم کو بہتر بنانے اور اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں مدد ملی۔ اس کے علاوہ بہاول پور ڈویژن کے عربی مدارس میں محکمہ کا مقرر کورس رائج تھا جس میں اسلامیات پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ ان عربی اسکولوں کی درج ذیل اقسام تھیں :۔

۱۔ تعلیم القرآن اسکول۔

۲۔ مؤدب اسکول (مثل پرائمری اسکول پہلی جماعت تا پنجم) ان میں اسلامیات پانچوں کلاسوں میں پڑھائی جاتی تھی۔

۳۔ رفیق العلماء اسکول۔۔ یہ اسلامیات کے اعلیٰ درجہ تک اسکول تھے ابتدائی پانچ کلاسوں میں مؤدب اسکولوں کا کورس رائج تھا اور باقی کلاسوں میں باقاعدہ مڈل کا کورس پڑھایا جاتا تھا۔ یہ تمام اسکول جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے ماتحت کر دئے گئے تھے۔

۴۔ فاضل اسکول۔۔ یہ اسلامیات کے اعلیٰ درجہ کے مدارس تھے۔ ان میں ہائی اسکول کے نصاب کے ساتھ ساتھ فقہ' حدیث' تفسیر' اصول فقہ' نحو' معنی وبلاغت وغیرہ کے نصاب بھی شامل تھے۔

گورنمنٹ پولی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ' کمرشل انسٹی ٹیوٹ اور دیگر گورنمنٹ ووکیشنل اسکول برائے طلباء و طالبات میں فنی تعلیم دی جاتی ہے۔ ذیل میں ۱۹۶۷ء۔ ۱۹۶۸ء تک کی تعلیمی ترقی کے اعداد و شمار درج ہیں :۔

نمبر شمار	نام ادارہ	اداروں کی کل تعداد	کل اساتذہ	کل طالب علم
۱۔	پرائمری اسکول برائے طلباء	۱۵۷۸	۳۱۹۷	۷۸۵۱۷
۲۔	پرائمری اسکول برائے طالبات	۴۱۰	۵۷۲	۳۴۱۹۷
۳۔	مڈل اسکول برائے طلباء	۱۵۲	۱۶۶۰	۳۰۰۱۶
۴۔	مڈل اسکول برائے طالبات	۳۶	۲۶۰	۶۱۱۸
۵۔	ہائی اسکول برائے طلباء	۴۹	۱۵۱۱	۲۸۵۸۰
۶۔	ہائی اسکول برائے طالبات	۱۲	۲۳۳	۷۲۲۸
۷۔	انٹر کالج برائے طلباء	۵	کل مرد لیکچرارز = ۱۶۰	
۸۔	انٹر کالج برائے طالبات	۲	کل خواتین لیکچرارز = ۹۶	
۹۔	ڈگری کالج برائے طلباء	۳	کل طلباء = ۱۰۷۰	
۱۰۔	ڈگری کالج برائے طالبات	۱	کل طالبات = ۹۶	

ذریعہ : کتابچہ نظامت تعلیمات لاہور ریجن ۱۹۶۸ء

قابل ذکر بات یہ کہ یتیم بچوں کے لئے تعلیم و اقامت کے لئے خصوصی انتظامات کئے جاتے تھے۔ اور غریب طلباء و طالبات کو وظائف دئے جانے کا سلسلہ جاری تھا۔ قیام پاکستان کے وقت ایسے بے شمار عہدے دار اور اساتذہ موجود تھے جنہوں نے امیر بہاول پور صادق محمد خان عباسی کے قائم کردہ تعلیمی فنڈ کی بدولت اعلیٰ تعلیم مکمل کی اور اپنے مستقبل کو درخشاں بنایا۔ وحدت مغربی پاکستان سے قبل اور اس کے بعد بہاولپور کے تعلیمی بجٹ میں نمایاں فرق رونما ہوا ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ خطۂ بہاولپور کو علمی سرگرمیوں اور ترقی تعلیم کے میدان میں' بر صغیر پاک و ہند میں'

جہاں دور قدیم میں کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے وہاں دور جدید میں بھی جنوبی پنجاب میں حصول علم کے لئے ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ حضرت صفی الدین گاذرونی " کی اُوچ آمد سے لیکر برطانوی عملداری کے آغاز (۹۸۰ء۔۱۸۶۶ء) کی علمی و دینی سرگرمیوں کی تقریباً ساڑھے آٹھ سو سالہ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس خطہ کو مذہبی تعلیمات اور تبلیغ و اشاعت اسلام کے حوالے سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اگر اس پورے دورانیہ میں محض خطۂ پاک اُوچ کی تعلیمی سرگرمیوں کا تجزیہ کیا جائے تو علم و عرفان کے اس قدیم گہوارے کو قبۃ الاسلام قرار دینا عین مناسب ہوگا۔ یہ اسی خطہ کی قدیم علمی سرگرمیوں کی فیوض و برکات ہی تھیں کہ جب برصغیر میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی تعلیمی اوقاف کی ضبطی عمل میں آئی اور دینی مدرسوں کی سرکاری سرپرستی ممکن نہ رہی' یہ صورت حال ہندوستان کے مسلمانوں کے دینی و علمی انحطاط کا سبب بنی لیکن ان حالات کے باوجود ریاست بہاولپور میں حکومت کی اعانت کی وجہ سے 'جو ایک اسلامی ریاست تھی' مدارس و مکاتب اور ان سے وابستہ مذہبی و دیگر علوم کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ لیکن ان تمام تعلیمی سرگرمیوں کے باوجود عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ خطۂ جدید علوم کی ترویج و اشاعت میں برصغیر پاک و ہند کے دیگر علاقوں سے پیچھے رہا اور یہ کہ اس کے پس پشت کونسے عوامل کار فرما تھے۔ دراصل حقیقت یہ کہ جہاں تک اس خطے میں دینی تعلیم کی ترویج کا تعلق ہے تو یہ بلاشبہ پورے برصغیر میں ایک مثالی حیثیت کا حامل رہا ہے جس کا اندازہ یہاں پر علماء اور حفاظ کرام کی تعداد سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ البتہ جدید علوم کی تدریس اور انگریزی تعلیم کی ترویج کے سلسلہ میں جدید طرز کے اداروں کا قیام' اس علاقے میں برطانوی عملداری کے نفاذ (۱۸۶۶ء) کے بعد ہی ممکن ہوا۔ علاوہ ازیں ریاست کے مخصوص سیاسی و معاشرتی رجحانات اور معاشی تقاضوں کی وجہ سے ہر فرد کے لئے جدید تعلیم کا حصول ممکن نہ تھا۔ البتہ آخری دور میں روشن خیال امیران یکے بعد دیگرے برسر اقتدار آئے تو جدید علوم و اداروں کے قیام پر خصوصی توجہ دی گئی۔ یہی نہیں جدید علوم میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے پیش نظر ریاستی طلباء کو وظائف دے کر اندورن ہند اور بیرون ملک روانہ کیا گیا جنہوں نے تحصیل علم کے بعد اپنی قابلیت کے خوب جوہر دکھائے۔ مابعد ان ہی اعلیٰ تعلیم کے صاحب اختیار لوگوں اور امیران بہاولپور کی ذاتی دلچسپی کی بدولت شرح خواندگی میں قدرے اضافہ ہوا۔ یہ اسی تعلیمی شعور کا نتیجہ تھا کہ جب سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) نے جدید علوم اور یورپی طریقہ تعلیم کو مسلمانوں کی نجات اور بحیثیت قوم زندہ رہنے اور ہندوؤں کے غلبے سے نجات کا ذریعہ قرار دیا تو ریاست بہاول پور کے ذی شعور عوام اور نوابین نے علی گڑھ کی اس تحریک کو لبیک کہا اور نئے تقاضوں اور ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جدید علوم کی تعلیم اور اردو زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی ترویج کو نہ صرف وقت کی اہم ضرورت قرار دیا بلکہ اسکولوں اور کالجوں میں ان مضامین کو نصاب میں کلیدی حیثیت دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسی تعلیمی شعور کے سبب اس خطے اور اس کے حکمرانوں نے تحریک پاکستان میں مثبت کردار ادا کیا اور قیام پاکستان کے بعد حصول تعلیم کے لئے لاہور کے بعد شہر بہاولپور کو ایک خاص مقام حاصل ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ ابن الجوزی، عبدالرحمٰن، صید الخاطر (فصل قیمہ الوقت) بیروت، ۱۹۸۶ء ص ۲۷۔

۲۔ حضرت شیخ حسینؒ کے آباؤاجداد عرب کی رؤسا اور شرفا میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب قصیٰ سے مل جاتا ہے۔ جیسا کہ قصیٰ کے دو ۲ فرزند بہت معروف تھے ایک عبد مناف جو سرکار دو عالم ﷺ کے جد امجد ہیں اور دوسرے عبدالعزیٰ جو حضرت شیخ ؒ کے مورث و جدّ اعلیٰ ہیں۔ نور احمد خان فریدی، تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ لاہور، ۱۹۸۰ء ص ۲۵۔

۳۔ شرف الدین قریشی منبع البرکات (اردو ترجمہ فرزند علی شاہ، جامع الکرامات)، مقام اشاعت ندارد، ۱۳۳۳ھ، ص ۹۔

۴۔ مخدوم حسن بخش اسدی، انوار غوثیہ، لاہور، ۱۳۲۷ھ، ص ۱۴۔

۵۔ محمد خورشید، کوٹ کروڑ: علم و عرفان کا قدیم گہوارہ، مجلّہ تحقیق، لاہور، ۱۹۹۴ء۔ ص ۲۳۱۔

۶۔ محمد شجاع الدین ناموس، سیاسی اور ثقافتی تاریخ، نقوش (لاہور نمبر)، ص ۳۸۔ تفصیلات کے لئے دیکھیے: سید عبداللطیف، تاریخ پنجاب لاہور۔

۷۔ مسعود حسن شہاب اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ ''اس درس گاہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ سید احمد کبیرؒ کے فرزند اور حضرت جلال الدین سرخ بخاریؒ کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے زمانے میں ہند اور بیرون ہند سے یہاں اس قدر طلباء جمع ہوئے کہ اس کی مثال دہلی کے سوا اور کہیں نہیں ملتی۔'' مسعود حسن شہاب، خطۂ پاک اُوچ، لاہور، ۱۹۸۲ء ص ۱۶۷۔

۸۔ ایضاً، ص ص ۱۲۸۔ ۱۲۹۔

۹۔ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ، تاریخ اُوچ، دہلی، ۱۹۳۱، ص ۲۹۔

۱۰۔ مسعود حسن شہاب بحوالہ سابقہ، ص ۲۶۰۔

۱۱۔ ایضاً، ص ص ۲۱۶۔ ۲۱۷۔

۱۲۔ علی کوفی ؒ نے دراصل سندھ کی تاریخ پر پہلی مستند کتاب ''فتح نامہ'' کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور یہی کتاب بعد میں ''چچ نامہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔ علی بن ابراہیم کوفی، چچ نامہ، (مترجم اختر رضوی) کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ص ۴۴۔ ۴۵۔ جبکہ مسعود حسن شہاب کے مطابق علی بن حامد ابو بکر کوفی نے سندھ کی سب سے زیادہ مستند کتاب ''الہند والسندھ و منہاج المسالک'' کا فارسی ترجمہ کیا جو چچ نامہ سے مشہور ہوئی۔ مسعود حسن شہاب، بہاول پور میں ادب کا ارتقاء،

الزبیر (سہ ماہی) بہاول پور نمبر' لاہور' ۱۹۹۴ء' ص ۹۰۔

۱۳۔ مسعود حسن شہاب' خطۂ پاک اُوچ' ص ۱۶۶۔

۱۴۔ مسعود حسن شہاب' اولیاء بہاول پور' لاہور' ۱۹۸۴ء' ص ۱۶۹۔

۱۵۔ ریاض الاسلام و محمد اسمعیل بھٹی' پاکستان اُردو دائرہ معارف الاسلامیہ' جلد نمبر ۵' شمارہ نمبر ۲' ص ۳۸۱۔

۱۶۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خان' (مترجم محمد ایوب قادری) مآثر الامرأ' لاہور' ۱۹۶۸ء ص ۶۴۔

۱۷۔ تفصیلات کے لئے دیکھیے: امین اللہ وثیر' ملا عبدالحکیم' ثقافت' لاہور' اپریل ۱۹۶۷۔ مزید تفصیل کے لئے: محمد اسلم پسروری' فرحت الناظرین' (مترجم محمد ایوب قادری)' لاہور' سن ندارد' ص ۱۰۴۔

۱۸۔ محمد علم الدین سالک' وعلائے کرام اور دینی مدرسے' نقوش' لاہور نمبر۔

۱۹۔ مسعود حسن شہاب' بہاول پور میں اردو' لاہور' ۱۹۸۳' ص ۲۸۔۲۹۔

۲۰۔ مولانا عزیز الرحمٰن عزیز' ذکر کرام' دہلی' ۱۹۳۷ء' ص ۲۲۔

۲۱۔ مرزا احمد اختر مناقب فریدی (حصہ اول)' دہلی' ۱۳۱۴ھ' ص ۹۸۔

۲۲۔ شعر کچھ اس طرح سے ہے: صحت پیر مغاں ہم کو خوش آئی ہے بدل
ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

ایضاً' ص ۳۷۔

۲۳۔ ایضاً' ص ۵۰۔

۲۴۔ ایضاً' ص ۹۲۔

۲۵۔ مسعود حسن شہاب' اولیاء بہاولپور' ص ۱۶۲۔

۲۶۔ حاجی عبیدی دین پوری' ید بیضا' لاہور' ۱۹۷۶' ص ۳۶۔

۲۷۔ ایضاً' ص ۸۷۔

۲۸۔ مولانا غلام رسول مہر' تاریخ سندھ (حصہ ششم۔ عہد کلہوڑا' جلد اول) کراچی' ۱۹۸۵' ص ۲۱

۲۹۔ محمد اشرف گورگانی و مولوی محمد دین' صادق التواریخ' بہاولپور' ۱۸۹۹' ص ۲۰۷۔

۳۰۔ مولوی محمد اعظم' جواہر عباسیہ (قلمی مخطوط فارسی) بہاولپور' ۱۸۳۸' ص ۱۔

۳۱۔ عزیز الرحمٰن عزیز' العزیز' ماہنامہ اکتوبر ۱۹۴۰' ص ۴۰۔

۳۲۔ پیر محمد ابراہیم خان' سیر ستان' ملتان' ۱۸۵۴' ص ۲۳۷۔

۳۳۔ فائل تصفیہ سرحدات مابین ریاست بیکانیر' محافظ خانہ بہاول پور' ۱۸۴۶۔

۳۴۔ ماجد قریشی' دبستان بہاولپور' سن ندارد' ص ص ۲۳۔۲۴۔

۳۵۔ سید مراد شاہ ریاست میں انگریز سرکار کی جانب سے مقامی ایجنٹ مقرر ہوئے تھے اور اس کے علاوہ ناظم اور صدر منصف کے عہدوں پر فائز رہے۔ ان کا تعلق ملتان کے گردیزی خاندان سے تھا۔ آپ نے اُردو زبان میں پانچ جلدوں پر مشتمل ''تاریخ مراد'' تحریر کی جسے بہاول پور کی تاریخ پر اردو زبان کے اولین ماخذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مراد شاہ کی اچانک موت کے سبب یہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ اس وجہ سے یہ تاریخ قلمی صورت میں ملتان کے گردیزی خاندان کے پاس موجود ہے۔ اس کتاب کی جلد پنجم میں نواب بہاول خان ثالث کے تخت نشینی (۱۸۲۵ء) سے لے کر نواب بہاول خان رابع کی وفات (۲۵ مارچ ۱۸۶۶ء) تک کے حالات بیان کئے ہیں۔ یہ جلد ۴۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ تاریخ مراد کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام واقعات کو سنین اور ماہ وایام کی ترتیب اور تسلسل سے تحریر کیا گیا ہے۔ جہاں تک اُردو زبان کے ذریعہ بیان کا تعلق ہے اس پر فارسی کی گہری چھاپ ہے جیسے فارسی کی کوکھ سے اردو جنم لے رہی ہو۔ سید مراد شاہ' تاریخ مراد شاہ' (قلمی نسخہ) جلد پنجم' ملتان' سن ندارد' ص ۲۲۔

۳۶۔ مصطفیٰ علی بریلوی' مسلمانان پنجاب کی تعلیم' کراچی' ۱۹۷۵ء' ص ۷۵۔

۳۷۔ ایضاً' ص ۶۰۔

۳۸۔ صادق الاخبار' ۳۱ دسمبر ۱۹۶۷ء' ص ۱۱۸ کالم نمبر ۲۔۳۔

۳۹۔ اساتذہ کی تربیت کا یہ اسکول گزشتہ سو سال میں کئی نام بدل چکا ہے مدرسۃ المعلمین کے بعد اس کا نام نارمل اسکول' پھر ٹیچر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کہلایا اور یہاں معلمی کے بعد ایس۔ وی اور سی۔ ٹی کے کورس جاری ہوئے اور کچھ عرصہ اس ادارے میں اساتذہ کا ٹریننگ کالج بھی قائم رہا جسے بعد میں ملتان منتقل کر دیا گیا۔ سید مصطفیٰ علی بریلوی' بحوالہ سابقہ' ص ۳۲۴۔

۴۰۔ مسعود حسن شہاب' اولیائے بہاولپور' ص ۲۸۔۲۳۔

۴۱۔ کالج میں ۱۸۹۲ء میں ڈگری کلاسوں کا اجراء ہوا۔ لیکن طالب علموں کی قلیل تعداد کے سبب ۱۹۰۰ء میں ڈگری کلاسیں ختم کر دی گئیں۔ اور دوبارہ ۱۹۲۴ء میں بی۔ اے کی کلاسوں کا اجراء ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں ایس ای کالج میں طلباء کی کل تعداد ۲۲ تھی۔ مگر آج یہاں تقریباً ۳۵۰۰ طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں جب کالج بنا تو یہاں پرنسپل پرسنا کمار بوس کے علاوہ مولوی محمد دین' مولانا جمعیت علی۔ لالہ رام رتن اور پنڈت چورامانی اولین پروفیسر مقرر ہوئے۔ انور صابر' جشن صد سالہ گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج' بہاول پور' ۱۹۸۶' ص ۱۵۔۱۶

۴۲۔ سید مصطفیٰ علی بریلوی' بحوالہ سابقہ 'ص ص ۳۲۵۔۳۲۶۔

۴۳۔ منظور حسین 'نور اتعلیم' ماہنامہ ستمبر ۱۹۶۲ء 'جگہ ندارد' ص ۲۱۔

۴۴۔ ایضاً' ص ۲۱۔

۴۵۔ اردو زبان کے اختیار کئے جانے سے قبل ریاست بہاول پور میں تمام دفتری امور فارسی زبان میں انجام دیئے جاتے تھے۔ نواب بہاول خان اول کے عہد میں جب ۱۷۴۸ء کو بہاول پور شہر کی بنیاد رکھی گئی اور اس شہر کو آباد کرنے کے لئے مختلف علوم فنون کے جن ماہرین کو یہاں مستقل قیام کی دعوت دی گئی اور بر صغیر کے جن علاقوں سے فوجی بھرتی کی گئی ان کی مادری زبان اُردو تھی یا جو اُردو بولتے اور سمجھتے تھے۔ نواب بہاول خان ثالث کے دور میں بہاول پور میں اردو شناسی کے واضح شواہد ملتے ہیں۔ علماء دین میں بہت سے حضرات جیسا کہ حضرت ملوک شاہ دہلی کے مدرسہ نظامیہ کے فارغ التحصیل تھے۔ اور ان عالموں کی تقلید کرتے ہوئے مقامی لوگوں نے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ اردو زبان سیکھنا شروع کی اور اس طرح ۱۹۰۱ء تک اردو میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ نواب بہاول خان رابع کے نام ۳۰ دسمبر ۱۸۵۳ء کو جان لارنس نے خط اردو میں تحریر کیا۔ ۱۸۶۶ء میں سرکاری طور سطح پر اردو کا استعمال عام ہو چکا تھا۔ جبکہ بیسویں صدی کے آغاز کے وقت ریاست بہاول پور میں اُردو زبان سرکاری طور پر ہر سطح پر اختیار کی جا چکی تھی۔ مسعود حسن شہاب 'بہاولپور میں اُردو، ص ص ۷۵۔۱۱۰۔

۴۶۔ محمد اشرف جلال، سنٹرل لائبریری بہاول پور، الزبیر، بہاول پور نمبر، ص ۲۴۰۔

۴۷۔ جامعہ عباسیہ کے پہلے پراسپکٹس میں سٹاف میں قابل ذکر علماء آٹھ درج ہیں۔ ان کے اسماء گرامی ذیل ہیں۔ ۱۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی (شیخ الجامعہ) ۲۔ مولانا فاروق احمد (شیخ الحدیث) ۳۔ مولانا احمد علی (نائب الشیخ) ۴۔ مولانا عبید اللہ (معلم اعلیٰ) ۵۔ مولوی محمد دین (معلم ثانی ۶۔ مولوی محمد صادق (معلم ثالث) ۷۔ مولوی محمد امیر (مدرس اول) ۸۔ مولوی عبد المالک (مدرس ثانی) عبد الرشید رحمت، علماء بہاول پور۔ ایک جائزہ 'الزبیر، بہاول پور نمبر، ص ۲۱۴۔

۴۸۔ روزنامہ مشرق کراچی' ۲۳ فروری ۱۹۷۵ء۔

جامعہ عباسیہ کے بارے میں خود سید حسن محمود کی یہ خواہش تھی کہ ''بہاولپور میں دینی تعلیم کا ایک مدرسہ جامعہ عباسیہ کے نام سے قائم تھا۔ ہم اسے یونیورسٹی کی سطح پر ترقی دینا چاہتے تھے۔ اس کے لئے ماہرین تعلیم کے مشوروں سے جدید نصاب بھی تجویز کر دیا گیا تھا۔ ہماری خواہش

تھی کہ یہ جامعہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کا بھی مرکز بن جائے۔" سید حسن محمود، میرا سیاسی سفر، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۱۴۹۔

۴۹۔ نذیر علی شاہ عسکری، صادق نامہ، لاہور، ص ۱۹۵۹ء، ص ۷۶۔

۵۰۔ مصطفیٰ علی بریلوی، بحوالہ سابقہ، ص ۳۲۸۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۸

۵۲۔ نواب موصوف ۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس موقع پر ایک لاکھ روپے امداد بھی دی۔ محمد عزیز الرحمٰن عزیز، صبح صادق، بہاول پور، ۱۹۴۳ء، ص ۱۹۳۔

۵۳۔ سعید ہاشمی، حیات صادق، بہاول پور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۷۔ مزید دیکھیے: محمد عزیز الرحمٰن، بحوالہ سابقہ، ص ۱۹۳۔

۵۴۔ تفصیلات کیلئے دیکھیے: سید شبیر بخاری، بہاول پور کا تعلیمی منصوبہ، بہاول پور، ۱۹۵۸ء، ص ص۔ ۱۹۔۲۴۔

۵۵۔ سید حسن محمود، بحوالہ سابقہ، ص ۱۴۹۔

۵۶۔ ایضاً، ص ۱۴۹۔

۵۷۔ مصطفیٰ علی بریلوی، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۳۔